U64459

|[illegible]-12-[illegible].

tle - AFSANA-E-GHAM.

ator - Sayyed Ameer Ahmad Alvi

blisher - Daftar Risala Mehshar Khayal (Delhi).

ate - 1938

ges - 40.

bjects - Tareekh - Hind - Atthara Sau Sattawan; Atthara Sau Sattawan - Chasm Deed-e-Aqaat

سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ بادشاہ دہلی کا

افسانۂ غم

غدر ۱۸۵۷ء کی دردناک مصیبتیں۔ شہزادوں اور بیگمات کا قتل

بہادر شاہ کی ہولناک پریشانیاں

مقبرہ ہمایوں میں پناہ۔ گرفتاری۔ مقدمہ۔ فرد جرم

دہلی سے آخری رخصت۔ رنگون میں نظربندی

مؤلفہ

مولانا سید امیر احمد صاحب علوی ڈپٹی کلکٹر یو۔ پی

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ محشر خیال۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی

بجوب المطابع برقی پریس دہلی (قیمت چار آنے)

افسانۂ غم کی اشاعت

"بار بار آنسو بہانے سے کیا ہوتا ہے سنہ ۱۸۵۷ء میں جو مصیبتیں ہندوستانیوں پر اور خصوصاً دہلی والوں پر آئیں اُن کو بارہا آپ نے سُنا ہوگا۔ لیکن اُن آفتوں مصیبتوں کا بدلہ اب کیسے لیا جائے؟ ہم بہادر شاہ اور اُن کے شہید شدہ شہزادوں کو دوبارہ نہیں پا سکتے جو ہونا تھا ہوا۔ دنیا میں ہمیشہ السابق سے ہوتا رہا ہے اور جب تک دُنیا باقی ہے یوں ہی ہوگا۔"

کربلا کی تپتی ہوئی سرزمین پر بھوکے پیاسے امام حسین علیہ السلام کو اور ان کے اہل و عیال کو صرف اقتدار حاصل کرنے کے لیے اور خلافت کو بادشاہت میں منتقل کرنے کے لئے نہایت بیدردی سے شہید کیا۔ شہادت حسین سے لیکر بہادر شاہ تک ہزارہا بادشاہان اسلام علما کرام۔ اور صوفیائے عظام پھانسی کے تختے پر لٹکا دیئے گئے۔ عوام الناس کا تو ذکر ہی کیا۔ ہزار بارہ سو برس کے اندر کروڑوں مُسلمان قتل ہو گیا، نادر شاہ نے کیا کچھ نہیں کیا۔"

اس "افسانۂ غم" کو شائع کرنے سے میرا منشاء یہ ہے کہ پبلک کو اندازہ ہو سکے کہ بہادر شاہ بالکل بے قصور تھے، انہوں نے نہ بغاوت کرائی اور نہ باغیوں کو امداد دی، بلکہ حتی الامکان بغاوت کو رفع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

لیکن غریب بہادر شاہ بے بس تھے۔ کیا کر سکتے تھے، وہ خود باغیوں کے ہاتھ سے لاچار تھے۔ باغیوں سے خود بہادر شاہ کو اپنی جان کا خطرہ تھا"

دہلی والوں کا قتلِ عام اور ہزاروں بے گناہوں کو پھانسیاں دینا۔ خاندان کے خاندان مٹا دینا۔ اور اسی قسم کے ناقابلِ بیان ظلم کرنے سے اسوقت کے انگریزوں کا منشا شاید یہ ہو کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ کا کوئی ہندو مسلمان سرزمین دہلی پر باقی ہی نہ رہے۔ اسی لئے جو ملا کا پھانسی پا گیا۔

انگریز قوم اپنے ان ارادوں میں کامیاب ہوئی۔ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار پر مقدمہ چلا کر رنگون نظر بند کیا۔ شہزادوں کو میجر ہڈسن نے خاک اور خون میں تڑپایا" ؎

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند

پر عمل کرنا شاید اسی کو کہتے ہیں"

میرا مقصد پبلک کے جذبات ابھارنا یا آمادۂ بغاوت کرنا نہیں ہے بلکہ، ایک پرانی کہانی کو یاد دلانا ہے تاکہ اندازہ کیا جائے کہ جب کوئی سلطنت مٹائی جاتی ہے تو اس کے اربابِ اقتدار کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اب تو حالات بدل گئے۔ وقت نے پلٹا کھایا۔ اب تشدد اور بغاوت سے حکومتیں ختم نہیں ہوتیں اب تو جتھہ بندی تنظیم ہی اس غلامی کا علاج ہے"

یہ غدر کی کہانی ایک دوست نے لکھنؤ سے "محشر خیال" کے افسانہ نمبر کے لئے بھیجی تھی، اس لئے اس کو افسانہ نمبر میں شائع کیا جا رہا ہے اور علیحدہ کتابی صورت میں بھی۔

اس غدر کی کہانی کی اشاعت کا سب سے زیادہ انتظام دہلی میں کیا گیا ہے عوام کی اطلاع کے لئے سینکڑوں پوسٹر اور ہزاروں ہینڈ بل شائع کئے گئے ہیں، تاکہ بہادر شاہ کا افسانۂ غم دہلی کے ہر گھر میں پہونچ جائے اور غدر ۱۸۵۷ء کا نقشہ اور دہلی والوں کی دردناک مصیبتیں اُن کی آنکھوں کے سامنے اس کتابچے پڑھنے سے آجائیں اور اُن کو معلوم ہو جائے کہ آزادی کی لڑائی کو غلط طریقہ سے لڑنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق اکثر مورخین نے کتابیں لکھی ہیں۔ سب سے زیادہ غدر کے افسانے مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے شائع کئے ہیں۔ جو مقبول بھی ہوئے ہیں۔ لیکن غدر کے متعلق کہانیوں اور کتابوں کی قیمت زیادہ رکھی ہے۔ زیادہ قیمت ہونے کی وجہ سے ہر خاص و عام غدر کی مصیبتوں سے آگاہ نہ ہو سکا"

اس "افسانۂ غم" کی اشاعت میں ان تمام باتوں کا خاص طریقے سے خیال رکھا گیا ہے۔ یعنی غدر ۱۸۵۷ء شروع ہونے کے اسباب،

غدر کا آغاز، ہولناک پریشانیاں، بادشاہ کی مجبوریاں، شہزادوں کا قتل، بادشاہ کی گرفتاری اور مقدمہ، رنگوں کی نظربندی، بادشاہ کے آخری ایام اور کس مپرسی کے عالم میں، داعی اجل کو لبیک، اور اس کے علاوہ انداز بیان بہت آسان عام فہم زبان۔ کسی کسی فقرے میں غالب کا رنگ موجود، ان تمام باتوں کے باوجود تمام حالات مختصر اور سمجھ میں آنے والے اور قیمت کم سے کم۔

ناچیز:-

عبداللہ فاروقی دہلوی
ایڈیٹر رسالہ "محشر خیال"
دہلی

۲۸ر فروری ۱۹۳۸ء

غدر ہونیکے اسباب

شاہ ایران اور امیر کابل کے حملوں کا خطرہ

۱۸۵۷ء کے آغاز موسم بہار سے دہلی میں حیرت انگیز خبریں مشہور ہورہی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ ایران کا بجکلاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوگا۔ کسی کا خیال تھا کہ زار روس ہند کی طرف پیشقدمی کرے گا۔ کبھی خبر اُڑتی تھی کہ امیر کابل بادشاہ دہلی کو اغیار کی حراست سے آزاد کرانے آرہا ہے۔ کسی دن شہرت ہوتی تھی کہ ٹرکی اور فرانس نے باہم معاہدہ کیا ہے اور وہ شاہِ ایران کو ساتھ لیکے ہندوستان کا تختہ اُلٹنے کی فکر میں ہیں بدباطن غُل مچاتے تھے کہ لال قلعہ میں اہل فارس کی آمد کا روزانہ انتظار ہے اور حضرت شاہ حسن عسکری ایرانیوں کی فتح و نصرت کے لئے اعمال و ریاضات کی چلہ کشی میں مصروف ہیں۔ ایکدن جامع مسجد کے دروازے پر کسی شریر نے اشتہار چسپاں کردیا کہ شاہِ فارس فوج لیے آرہا ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اس لشکر کی امداد کرنا چاہیئے۔ سیاسات سے دلچسپی رکھنے والے نئی نئی خبریں سننے کے مشتاق تھے، اور سامان تفریح کے فراہم کرنے والے

تازہ تازہ بشارتیں تصنیف کرتے اور ان کی تشہیر کرتے تھے البتہ اس پیشین گوئی پر سب متفق تھے کہ عنقریب ایک زبردست انقلاب ہونیوالا ہے جس سے سلطنت برطانیہ کی طاقت ہندوستان میں ختم ہو جائے گی

انگریز تمام مذہبوں کو مٹانا چاہتے ہیں

تمام ملک میں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ انگریز رعایا کو جبراً عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ یہاں کے مراسم اور مذاہب مٹا کر اور تمدن و معاشرت فنا کر کے فرنگی تہذیب رائج کیجائے گی دیسی ریاستیں ضبط کر لی جائیں گی۔ اور انگلستان کا قانون ہمالیہ سے راس کماری تک نافذ ہوگا۔

غرض رعایا تنگ اور فوج بددل تھی کہ اتفاقات قضا و قدر سے اسی زمانہ میں ایک جدید قسم کے کارتوس آئے جن کو استعمال کرنے کے لئے دانتوں سے کاٹنے کی ضرورت تھی۔ کچھ لوگوں نے شہرت دی کہ ان کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی ملی ہوئی ہے اور ان کے رائج کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں بیدین ہو جائیں گے تاکہ پادریوں کو تبلیغ عیسویت میں آسانی ہو۔ یہ بے بنیاد خبر سارے ملک میں بجلی کی طرح پھیلی ہندوستانی فوج اپنے افسروں سے ناراض اور بغاوت پر تیار تھی۔ اس افواہ نے بارود میں آگ لگادی۔ کارتوسوں کے استعمال سے انکار کر دیا۔ انگریزوں کے

ارباب حل وعقد نے تدبر اور دانشمندی سے کام نہ لیا۔ اپنی سطوت ودبدبہ کے اظہار کے لیے نزاعی کارتوسوں کے استعمال پر اصرار کیا۔ اور ایرانی حکیم کا وہ زرین مقولہ بھول گئے کہ

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن　　　　که جاہا سپر باید انداختن

میرٹھ میں غدر کی ابتدا

میرٹھ کی بڑی چھاؤنی رعب وداب کے مظاہرہ کے لیے انتخاب کی گئی۔ ۸ مئی ۱۸۵۷ء کو دیسی سپاہی کارتوس قبول کرنے پر مجبور کیے گئے انہوں نے انکار کیا تو منکروں کے سرگروہ حوالات میں بند کر دیئے گئے۔ دوسرے دن پریڈ پر ان سرغناؤں کو دس دس برس قید کا حکم سنایا گیا۔ ان کی وردیاں تمام فوج کے سامنے سر میدان اُتار دی گئیں اور بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ سپاہی غم وغصہ سے بیتاب ہوئے لیکن اُس وقت کسی نے دم نہ مارا شام کو بازار میں خبر مشہور ہوئی کہ دو ہزار بیڑیاں بنوائی گئیں ہیں اور کل دوسرے انکار کرنے والے گرفتار کیے جائیں گے۔

صبح ہوئی تو اتوار کا دن تھا اور مئی کی دسویں تاریخ۔ انگریز افسر عبادت کے لیے گرجا گھر گئے دیسی فوج بارکوں سے نکلکر جیلخانہ پہونچی قفل توڑے اور قیدیوں کو چھڑا لائی۔ تھوڑی دیر بعد بارکوں کے چھپر جلا دیئے اور

افسروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ انگریز، مرد، بچہ، عورت۔ فوجی اور غیر فوجی جس پر آنکھ پڑی موت کا شکار ہوا۔ دن بھر میرٹھ میں قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔

باغی فوج کا دہلی میں داخلہ

شام کو باغی فوج دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔ بعض انگریز افسروں نے موقع پاکر دن ہی میں ایک خط کمشنر دہلی کے نام روانہ کر دیا تھا جس میں بغاوت کا حال لکھکر اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ باغی دہلی کا رُخ کریں گے اور وہاں بندوبست ہونا چاہیے۔ مگر بدبختی سے یہ خط آدھی رات کو کمشنر کی کوٹھی پر پہونچا۔ صاحب بہادر خواب استراحت میں تھے۔ اُن کو بیدار کر کے خط دیا گیا۔ مگر نیند کے نشہ میں خط کون پڑھتا۔ خط جیب میں ڈال کر سو رہے۔ صبح ہوئی تو باغی دہلی میں داخل ہو چکے تھے۔ اور پانی سر سے گذر چکا تھا۔

دوشنبہ کے دن ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء (۱۶ رمضان ۱۲۷۳ھ) کو بادشاہ سلامت فریضۂ صبح سے فارغ ہو کر جھروکے میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ دریا کے پُل کیطرف آگ کے شعلے نظر آئے دریافت حال کے لیے سوار بھیجے معلوم ہوا کہ میرٹھ کی فوج باغی ہو گئی انگریزوں کو قتل کر ڈالا۔ دہلی آرہی ہے گھاٹ کے انگریز حاکم کو مار ڈالا ہے اور اُس کے بنگلے کو آگ لگادی۔

بادشاہ متحیر اور پریشان ہوئے۔ حکم دیا کہ پُل توڑا جائے اور شہر پناہ

کے دروازے بند کردیئے جائیں تاکہ یہ فتنہ عظیم شہر میں داخل نہ ہوسکے، اتنے میں باغی کشتیوں کے پُل سے اُتر کر سلیم گڈھ کے نیچے ہوتے ہوئے قصرِ شاہی کے پاس آپہونچے زیرِ جھروکہ براجمان ہوئے اور حسبِ قاعدہ سلامی دی۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگے کہ ہم لوگ آپکے پاس فریادی آئے ہیں امیدوارِ انصاف ہیں ہم نے اپنی جانیں بیچکر اور سر کٹوا کر کلکتہ سے کابل کے ڈیرے تک چودہ سو کوس میں عملداری انگریزی کرادی۔ اور ہماری استقامت سے تمام ہندوستان پر تسلط ہوگیا، مگر جب سرکش باقی نہ رہا تو سرکار کی نیت میں فتور آیا ہمارے دین و مذہب کے درپے تخریب ہوئی، ایک قسم کی بندوق ایسی ایجاد کی جس میں کارتوس دانتوں سے کاٹ کر لگانا پڑے، کارتوس تو معلوم نہیں کس کس جانور کی جھلّی سے منڈھے ہیں ہم لوگوں نے تعمیل حکم سے انکار کیا۔ نزاع بڑھ گئی۔ چار مہینہ سے یہ جھگڑا درپیش ہے حکام میں کمیٹیاں ہوئیں اور ہم لوگوں میں بھی حرارتیں دوڑ گئیں کہ زیادہ تشدد ہو تو ایک دن ایک تاریخ کو بالاتفاق تمام ہندوستان میں غدر مچادو۔ چنانچہ میرٹھ سے فساد کا آغاز ہوا اور تمام فوج جادۂ اطاعت سے منحرف ہوگئی ہم شبانہ روز میں تیس کوس کی مسافت طے کر کے اس وقت یہاں آئے ہیں تاکہ بادشاہ سلامت ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں اور ہمارا انصاف فرمائیں ہم دین پر بگڑ کر آئے ہیں۔ اس فریاد کا بادشاہ نے جو جواب دیا وہ تاریخی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے اور اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ مظلوم ظفر کو سپاہیوں کی نافرمانی سے کچھ تعلق نہ تھا۔

بادشاہ کے اُستاد زادے سید ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی اُس وقت خدمت اقدس میں حاضر تھے اور اس گفتگو کے شاہد عینی ہیں۔ انھوں نے بادشاہ کا جواب "داستان غدر" میں بیان کیا ہے جس کے بیشتر الفاظ حضرت ظفرؔ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

بہادر شاہ کا جواب

"سنو بھائی" مجھے بادشاہ کون کہتا ہے میں تو فقیر ہوں ایک تکیہ بنائے ہوئے اپنی اولاد کو لئے بیٹھا ہوں، بادشاہت تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی میرے باپ دادا بادشاہ تھے جن کے قبضہ میں ہندوستان تھا سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی تھی میرے آباؤ اجداد کے نوکر چاکر اپنے خداوندان نعمت کی اطاعت سے جدا ہوکر رئیس بن بیٹھے میرے باپ دادا کے قبضہ سے ملک نکل گیا، قوت لایموت کو محتاج ہو گئے، خصوصاً میرے جد بزرگوار حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی کو جب غلام قادر نمک حرام نے قید کرکے نابینا کیا ہے تو پہلے مرہٹوں کو طلب کیا گیا تھا اور انہوں نے اُس نمک حرام کو کیفر دار کو پہنچایا، حضرت بادشاہ کو قید سے چھڑایا چند سال مرہٹے بادشاہ کی جانب سے مختار رہے مگر بادشاہ کے طرح مطیع کا بندوبست نہ کر سکے لاچار ہو کر میرے دادا نے جانب سلطنت برطانیہ

رجوع کی اور انگریزوں کو بلوا کر اپنے گھر کا مختار بنایا۔ ملک ہندوستان اُن کو سپرد کیا۔ اُن لوگوں نے حسب تنخواہ اخراجات شاہی کا بندوبست کر دیا۔ ملک میں امن وامان کا ڈنکا بجا دیا۔ اُس روز سے ہمارے گھر عیش وعشرت تمام بسر کرتے چلے آرہے ہیں۔ لڑائی جھگڑے سے کچھ کام نہیں"

میں تو ایک گوشہ نشین آدمی ہوں مجھے ستانے کیوں آئے ہو میرے پاس خزانہ نہیں کہ تمکو تنخواہ دوں فوج نہیں کہ تمہاری امداد کروں ملک نہیں کہ تحصیل کیلئے نوکر رکھوں میں کچھ نہیں کر سکتا مجھ سے کسی طرح کی توقع نہ رکھو تم جانو یہ لوگ جانیں، ہاں ایک امر میرے اختیار میں ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ میں تمہارے درمیان ہو کر انگریزوں سے تمہاری صفائی کرسکتا ہوں تم ابھی یہیں ٹھیرے رہو میں نے صاحب ریزیڈنٹ کو بلوایا ہے وہ میرے پاس آنیوالے ہیں، پہلے میں اُن سے دریافت کرلوں اُن سے مجھے حال فتنہ وفساد معلوم ہو جائیگا اور خدا چاہے تو میں اس فساد کو رفع دفع کرا دوں گا"

ریزیڈنٹ سے بہادر شاہ کا ارشاد

گفتگو ہنوز ناتمام تھی کہ فریزر صاحب ریزیڈنٹ مع قلعدار صاحب کے داخل ایوان خاص ہوئے بادشاہ اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے،

کیوں بھئی! یہ کیا فتنہ فساد برپا ہو گیا۔ یہ مذہب کا جھگڑا کیسا اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ مقدمہ دین و آئین کیا ہے تعصب مذہبی بری شے ہے اس فتنہ کا جلد انسداد ہونا واجب ہے مبادا ہندوستان میں غدر عالمگیر ہو جائے اور لاکھوں آدمیوں کا کشت و خون ہو۔ یہ لوگ جاہل ہیں، فرقہ سپاہ جاہل ہوتا ہے ان سے تھپک کر کام نکالنا چاہیے ان کو ہدایت کرو۔ یہ لوگ فساد سے باز آئیں، تعجب ہے کہ تم کو اس معاملہ کی اب تک خبر نہیں!!

قتل و غارت کی گرم بازاری

ریذیڈنٹ نے بذات خاص باغیوں کو فہمائش کی مگر کچھ اثر نہ ہوا، ایک سپاہی نے اسی وقت صاحب بہادر پر بندوق کا فیر کیا مگر قضا نہ تھی بچ گئے۔ بادشاہ عرض و معروض کر کے شہر کے بند و بست کے لئے باہر نکلے، باغیوں نے تعاقب کیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد شہر میں قتل و غارت کی آگ مشتعل ہو گئی ریذیڈنٹ بہادر، قلعدار، دیسی عیسائی مارے گئے، دوکانیں لٹیں اور سارے شہر میں شیطان کا راج ہو گیا باغیوں کو رسد کی ضرورت ہوئی،

اور ملازمین شاہی سے مدد مانگی امداد کا اقرار اس شرط سے کیا گیا کہ غارتگری اور آتش زنی کا بازار بند کیا جائے، بھوکوں نے منظور کیا تو شہر میں منادی کی گئی خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم جہاں پناہ کا، کسی پر کوئی ظلم نہ کرے،

ورنہ ملزم شاہی قرار دیا جائے گا۔ دو کانوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔

باغی اپنی حرکات سے کب باز آتے تھے۔ بنک لوٹ لیا اور فرنگی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے اُن کے خون پر آمادہ ہوئے۔ شاہی ملازموں نے اس خون ناحق سے منع کیا۔ بصد کوشش اُن بیگناہوں کو شاہی حفاظت میں لیکر قلعہ میں رکھا۔ لال قلعہ میں بھی باغیوں کی عملداری تھی۔ بادشاہ بالکل بےبس تھے اُن کے صریح حکم کے خلاف یہ سب محبوسان بلا قتل کر ڈالے گئے مرزا مغل مرزا حضرت سلطان وغیرہ شہزادے باغی فوجکے افسر بنائے گئے اور مظلوم بادشاہ کو بجبر و اکراہ ان تمام افعال کی رضامندی دینی پڑی۔ بادشاہ سلامت کے نام سے حکم احکام جاری ہونے لگے۔ لیکن اُن کے ملازموں کی یہ حقیقت تھی کہ ہر وقت فرشتہ اجل سامنے تھا۔ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں کہ ایکدن ہم لوگ حکیم احسن اللہ خان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ پوربیوں نے آکر ہمکو گھیر لیا اور بندوقیں پاؤں پر کھینچکر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم سب بیدین ہو۔ تم کرسٹان ہو۔ انگریزوں کو چٹھیاں لکھتے ہو۔ ہملوگوں نے حیران ہو کر اُن سے کہا کہ تم ہم سب کو اُڑا دو۔ روز کے جھگڑے سے تو فیصلہ ہو جائے اُن میں سے ایکدو افسر سمجھدار تھے وہ ساتھیوں کو سمجھا کر لے گئے "

بہادر شاہؒ نرغۂ اعدا میں

بادشاہ کی یہ حرمت تھی کہ مہتاب باغ میں ان بدتمیزوں نے اپنے گھوڑے باندھے تھے۔ ایک لوربیا فربہ اندام پستہ قد ادھیڑ پچاس پچپن برس کی عمر کا منہ پر ڈاڑھی گاڑھے کا کرتہ دھوتی بندھی ہوئی سر پر ایک انگوچھا کمرچ افسر کی اُس کے گلے میں پڑی ہوئی۔ عقب حمام کے چبوترے سے دربار میں آیا اور بادشاہ کو سلام کر کے پاس چلا آیا۔ بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: "سنو بڈھے! ہم نے تمہیں بادشاہ کیا۔" ظہیر دہلوی نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا۔ اور کہا کہ او بے ادب بادشاہوں کے دربار میں اس طرح گستاخی کرتے ہیں۔ وہ دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ گرتے گرتے سنبھلا اور اُس نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا۔ ظہیر نے بھی تلوار کھینچ لی۔ ایک سیّدزادہ نے سپاہی کا گلا دبوچا دوسروں نے ظہیر کو روک لیا۔ لوگوں نے اُسے دھکّے دیکر دیوان خاص کے باہر کر دیا۔ بادشاہ نے خفا ہو کر مغلظات گالیاں دینی شروع کیں اور حکم دیا کہ محل کی سواریاں کراؤ اور خواجہ صاحب کو چلو قلعہ چھوڑ دو۔ خود سوار ہو کر جالی کے دروازے تک پہونچ گئے تھے کہ اتنے میں سب افسر جمع ہو کر دوڑے آئے اور بادشاہ کی سواری روک لی۔ ہر چند بادشاہ نے چاہا کہ قلعہ سے چلے جائیں مگر وہ کب جانے دیتے تھے ہوادار لوٹا کر تسبیح خانہ کو لے گئے۔"

غرض قلعہ میں حکومت دراصل باغیوں کی تھی بادشاہ مفت میں بدنام تھے۔ ایک صادق البیان چشمدید گواہ کا بیان ہے کہ بادشاہ غریب کا حال تھا کہ حیران پریشان محل میں رہتے تھے، باہر برآمد ہونا چھوڑ دیا تھا ہر وقت مغموم اور آبدیدہ رہتے تھے۔ گاہ گاہ وقتِ شب تخلیہ میں تسبیح خانہ میں گھڑی دو گھڑی آ بیٹھا کرتے تھے اور اُن کے نمک حراموں کو بُرا بھلا کہتے تھے، ایک دن حضور نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو آج کل جو سامان ہو رہا ہے اس کا انجام کیا ہونا ہے حمید خاں جمعدار نے ہاتھ باندھ کر عرض کی حضور ڈیڑھ سو برس کے بعد اقبال یاور ہوا ہے گئی ہوئی سلطنت پھر واپس آئی ہے بادشاہ نے ارشاد فرمایا۔ تم لوگ نہیں جانتے ہو جو کچھ میں جانتا ہوں، مجھ سے سُن لو، میرے بگڑنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ یعنی بنائے فساد مال و دولت خزانہ ملک و سلطنت وغیرہ ہوا کرتے ہیں میرے پاس ان میں سے ایک بھی موجود نہ تھی میں تو پہلے ہی فقیر ہوا بیٹھا تھا" ؎

کس نیاید بخانہ درویش ——— کہ خراج زمین و باغ بدہ

بادشاہ کی کس مپرسی

اب جو منجانب اللہ غیب سے میرٹھ میں آگ لگی اور دلی میں آکر بھڑکی فتنہ

برپا ہوا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فلک غدار کو میرے گھر کی تباہی منظور ہے۔
آجتک سلاطین چغتائی کا نام چلا آتا تھا اور اب آئندہ کو نام و نشان یک
قلم معدوم و نابود ہو جائے گا۔ یہ نمک حرام جو اپنے آقاؤں سے منحرف ہوکر
یہاں آکر پناہ گزین ہوئے ہیں، کوئی دن ہیں ہوا ہوئے جاتے ہیں۔ جب
یہ اپنے خاوندوں کے نہ ہوئے تو میرا کیا ساتھ دیں گے۔ یہ بدمعاش میرا
گھر بگاڑنے آئے تھے بگاڑ چلے۔ ان کے جانے کے بعد انگریز لوگ میرا
اور میری اولاد کا سر کاٹ کر قلعہ کے کنگرے پر چڑھا دیں گے اور تم لوگوں
میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑیں گے۔ اور اگر کوئی باقی رہجائیگا تو آج کا میرا
قول یاد رکھو کہ روٹی کا ٹکڑا منہ میں لوگے اور منہ میں سے اُڑ کر دور جا پڑیگا
یہ سخن درد انگیز فرما کر پھر محل میں داخل ہو گئے۔

ان دانشمندانہ اقوال کا اس فرد جرم سے مقابلہ کیا جائے جو فوجی
عدالت کے سامنے مظلوم بادشاہ پر لگائی گئی تھی تو اہل دُنیا کی بے اعتباری
اور نیرنگ زمانہ کا حیرت انگیز منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے"

اپنوں کی نمک حرامی!

بہر حال قوی شہادتوں سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ غدر کی لڑائیوں
سے بادشاہ کو دلچسپی نہ تھی۔ اس دور انقلاب کی تین چار ہستیوں کا تذکرہ

ضروری ہے، اوّل تو حکیم احسن اللہ خاں، دوسرے مرزا الٰہی بخش، تیسرے بخت خاں اور چوتھے مرزا مغل، اوّل بادشاہی طبیب تھے اور دوسرے بادشاہ کے سمدھی اور رشتہ دار، ان دونوں نے دور اندیشی اور عاقبت بینی سے انگریزوں سے سازباز کر کے اُن سے خفیہ نامہ و پیام کا سلسلہ قائم کیا، اِدھر بادشاہ کو صلاحیں دیتے اور اُدھر قلعہ کی ہر ایک خبر انگریزوں کو پہونچاتے باغیوں کو کئی مرتبہ اُن کی حرکات پر شک ہوا۔ لیکن بادشاہ نے ان کی اعانت کی۔ ایک بار جوشِ غضب میں حکیم صاحب کا مکان لوٹ لیا۔ لیکن ظلّ ہمایوں کے طفیل میں جان سلامت رہی بخت خاں ایک انگریزی رسالہ کا صوبہ دار تھا وہ دہلی میں باغیوں کا سرغنہ بنا، "لارڈ گورنر" خود ساختہ خطاب لیکر تمام سپاہ و سفیہ کا مختار بنگیا۔ مرزا مغل نادانی سے لارڈ گورنر کی کارروائیوں میں خلل اندازی کرتا تھا۔ باہمی کشاکش نے انتظام بد سے بدتر کر دیا، حملہ آوری اور مدافعت کی بھی قوت نہ رہی، پنجاب کو براہ راست حکومت برطانیہ کے زیرنگیں ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا وہاں کی فوج بغاوت کے زہر سے محفوظ تھی، انگریزوں نے اسی لشکر سے کام لیا۔ نیپال سے گورکھوں کی مدد لی۔

باغیوں کو شکست دیکر دہلی کے سامنے ایک پہاڑی پر اپنا مورچہ

قائم کیا۔ کہتے ہیں کہ جس دن پہاڑی پر انگریزوں کی توپیں چڑھیں مظلوم بادشاہ نے اپنی عبادت گاہ میں عاجزی اور نیاز سے دعا مانگی"

بہادر شاہ سجدہ میں گر گئے

"میں ضعیف و ناتواں کے امتحان کا وقت آپہنچا، خداوندا مجھے صبر و استقلال دے، میں اس ابتلا سے عہدہ برآ ہونے کا اہل نہیں، میری شرم تیرے ہی ہاتھ ہے، ان سنگدل اور بدنصیب سپاہیوں کو عقل دے کہ وہ معصوم بچوں اور بیگناہ عورتوں پر ظلم نہ کریں میں تیرے سوا کس سے کہوں، تو ہی سب کا حاکم اور ہر شئے پر قادر ہے" ؎

شہ چوں عجز آں طبیباں را بدید پا برہنہ جانب مسجد دوید

دہلی پر انگریزوں کا قبضہ

مگر دعاؤں کا وقت گذر چکا تھا۔ دہلی کا محاصرہ ہو گیا۔ باغیوں نے قلعہ پر توپیں نصب کیں اور دونوں طرف سے گولہ باری ہونے لگی۔ شہر والے صبح کو انگریزی فوج کے مقابلہ کے لئے نکلتے تھے اور شام کو اپنی تعداد میں کمی کرا کر واپس آجاتے تھے، محاصرین کو بھی اپنی قلت محسوس ہونے لگی تھی کہ ان کے پاس کئی ہزار سوار و پیادہ کی کمک پہونچ گئی اور

۱۴ ستمبر کی خونریز لڑائی کے بعد جس میں انگریزوں کے چھیاسٹھ[۶۶] افسر اور گیارہ سو چار سپاہی مجروح و مقتول ہوئے تھے۔ انہوں نے شہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ۱۵ ستمبر سے ۱۸ ستمبر ۱۸۵۷ء تک شہر کے اندر لڑائی ہوتی رہی۔ مگر ہر قدم پر باغیوں کو شکست ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹ ستمبر کو باغیوں کے پاس کوئی مورچہ باقی نہ رہا اور تمام شہر پر انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔"

بادشاہ کیلئے مصیبت کی رات

لال قلعہ کیلئے وہ بڑی مصیبت کی رات تھی، بادشاہ نے ارادہ کیا کہ حویلی سے نکلجائیں اس وقت لارڈ گورنر بخت خاں خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "اگرچہ دشمنوں نے شہر لے لیا ہے۔ لیکن اس سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا تمام ہندوستان ہمارے ساتھ ہے اور ہر شخص کی نظر آپ کی ذات گرامی پر ہے۔ آپ کچھ تردد نہ کریں، میرے ساتھ تشریف لےچلیں میں پہاڑوں میں چھپ کر ایسی مورچہ بندی کردوں گا کہ انگریز کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ دہلی پایۂ تخت ہے کوئی فوجی قلعہ نہیں ہے اور جنگ کے لئے نہایت نامناسب ہے ہم نے چند مہینے تک شہر کو بچائے رکھا یہی بڑی بات ہوئی ہم سب منتشر ہیں تھے اور انگریز پہاڑی پر کوئی ناتجربہ کار فوج بھی پہاڑی

پہنچوتی تو اُس کو دہلی کا فتح کرلینا کچھ دشوار نہ تھا سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ حضور کے صاحبزادے مرزا مُغل بہادر فوج کے کمانڈر انچیف بنائے گئے وہ فنونِ حرب سے ناواقف تھے اور اُن کو معلوم نہ تھا کہ سرکش اور خودسر سپاہیوں کو کس طرح قابو میں رکھا جاتا ہے اور ان سے اطاعت اور فرمانبرداری کس طرح قبول کرائی جاتی ہے۔ میری زندگی کا بڑا حصہ فوجی خدمات میں صرف ہوا ہے۔ اگر صاحب زادہ صاحب میری انتظامات میں رخنے نہ ڈالتے تو یقیناً انہیں سپاہیوں سے انگریزوں کے کثیر التعداد لشکر کو شکست دیتا مگر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے تمام ہندوستانی ریاستیں ہمارے ساتھ ہیں، وہ زبان سے خاموش ہیں۔ لیکن اُن کے قلوب حضور کی مٹھی میں ہیں۔ اگر حضور نے کسی محفوظ مقام پر قلعہ بند ہو کر انگریزوں کا مقابلہ کیا اور لڑائی کا پانسہ پلٹا تو تمام ہندوستان حضور کا ساتھ دیگا بادشاہ اس تقریر سے متاثر ہوئے اور فرمایا کہ ہم مقبرہ ہمایوں جاتے ہیں تم کل صبح وہاں آکر ہم سے ملو۔ اُس وقت مناسب جواب دیا جائیگا

مرزا الٰہی بخش کے ڈورے!

بخت خان رخصت ہوا تو مرزا الٰہی بخش جو انگریزوں کی طرف سے اس خدمت پر مامور ہوئے تھے کہ بادشاہ کو باغیوں کے ساتھ ہرگز نہ جانے دیں خدمت عالی

ہیں حاضر ہوئے چناں چہ ان کے بعد حرفِ مطلب زبان پر لائے نشیب و فراز سمجھا کر وعدہ کیا کہ میں انگریزوں سے ملکر تمام معاملات کی صفائی کرا دوں گا“ اور آپ پر یا آپ کی اولاد پر حرف نہ آنے دوں گا بشرطیکہ آپ باغیوں کے ساتھ نہ جائیں“۔

لال قلعے سے آخری رخصت

بادشاہ نے ان کو بھی کچھ جواب نہ دیا۔ صبح سویرے مع بیگمات اور بچوں کے باپ دادا کے قلعے سے باہر نکلے ہمراہیوں کو مقبرہ ہمایوں کی طرف روانہ کیا اور خود درگاہ حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین میں حاضر ہوئے۔ حسرت و یاس، خوف و ہراس کا عالم تھا۔ چند خواجہ سراؤں اور ہوادار کے سوا کوئی ساتھ نہ تھا۔ اور گرد و غبار سے ریش آلودہ و پراگندہ تھی“۔

تیموری سلطنت آج مٹ رہی ہے

خواجہ حسن نظامی دہلوی روایت کرتے ہیں کہ اُن کے نانا شاہ غلام حسن جو آستانہ درگاہ کے خادم تھے بادشاہ کی آمد کی خبر سنکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ حضور عالی مزار مبارک کے سرہانے بیٹھے ہیں۔ شاہ صاحب نے خیریت دریافت کی، ارشاد ہوا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ کمبخت سپاہی

خود سر ہیں اور ان پر اعتماد کرنا غلطی ہے، خود بھی ڈوبیں گے اور مجھکو بھی ڈبوائیں گے
آخر وہی ہوا کہ بھاگ نکلے، بھائی اگرچہ میں ایک گوشہ نشین فقیر ہوں لیکن
ہوں اُس خون کی یادگار جس میں آخر دم تک مقابلہ کرنے کی حرارت رہتی ہے
میرے بزرگوں پر اس سے زیادہ آڑے وقت پڑے ہیں اور انہوں نے
ہمت نہیں ہاری مگر مجھے تو غیب سے انجام دکھائی دے گیا ہے اب اس میں شک کی
گنجائش نہیں کہ میں تخت ہند پر تیمور کی آخری نشانی ہوں، مغلئی حکومت کا
چراغ ٹمٹما رہا ہے اور کوئی گھڑی کا مہمان ہے پھر جان بوجھ کر کیوں مزید
خونریزی کراؤں۔ اس واسطے قلعہ چھوڑ کر چلا آیا۔ ملک خدا کا ہے جس کو
چاہے دے سینکڑوں برس ہماری نسل نے سرزمین ہند پر بادشاہی کی
اب دوسروں کا وقت ہے یہ کوئی رنج و افسوس کی بات نہیں آخر ہم نے
بھی تو دوسروں کو مٹا کر اپنا گھر بسایا تھا۔ اس طرح کی حسرت ناک باتوں کے
بعد بادشاہ نے ایک صندوقچہ دیا اور کہا کہ یہ تمہارے سپرد ہے امیر تیمور نے
جب ترکوں کو شکست دی تھی تو سلطان بایزید یلدرم کے خزانے سے
یہ نعمت ہاتھ لگی تھی، اس میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
کی ریش مبارک کے پانچ بال ہیں جو آجتک ہمارے خاندان میں تبرک
کی طرح چلے آتے ہیں، اب میرے لیے زمین و آسمان میں کہیں ٹھکانا
نہیں ان کو لیکر کہاں جاؤں تم سے بڑھکر اس امانت کا کوئی اہل نہیں

ان کو حفاظت سے رکھنا"، یہ میرے دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں جن کو آج کے دن کی ہولناک مصیبت میں اپنے سے جدا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب نے وہ صندوقچہ لیکر درگاہ کے توشہ خانہ میں داخل کر دیا جہاں وہ اب تک محفوظ ہے اور ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں تبرکات کی زیارت ہوتی ہے۔"

میں بھوکا ہوں مجھکو روٹی کھلاؤ

اس کے بعد بادشاہ نے فرمایا آج تین وقت سے کھانیکی مہلت نہیں، اگر گھر میں کچھ تیار ہو تو لاؤ۔ شاہ صاحب نے کہا ہملوگ بھی موت کے سامنے کھڑے ہیں، کھانے پکانے کا ہوش نہیں جاتا ہوں جو کچھ موجود ہوگا حاضر کرونگا بہتر ہے کہ حضور خود غریب خانہ پر تشریف لیچلیں، جب تک زندہ ہوں اور میرے بچے سلامت ہیں آپ کو کوئی شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا، بادشاہ نے فرمایا۔ آپ کا احسان جو ایسا کہتے ہو مگر اس بوڑھے جسم کی حفاظت کے لئے اپنے پیروں کی اولاد کو قتل گاہ میں بھیجنا مجھے گوارا نہو گا۔ زیارت کر چکا، امانت سونپ دی اب دو لقمے سلطان جی کے لنگر سے کھالوں تو مقبرے چلا جاؤں گا۔ وہاں جو قسمت میں لکھا ہے پورا ہوگا۔ شاہ صاحب گھر گئے اور وہاں سے بیسنی روٹی اور سرکہ کی چٹنی

لائے بادشاہ نے تین وقت کے بعد وہ شمست کھاکر پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کرکے مقبرہ ہمایوں کی طرف روانہ ہو گئے۔"

بادشاہ کو گرفتار کرانیکے منصوبے

ادہر مرزا الٰہی بخش انگریزوں سے نامہ و پیام کر رہے تھے دفتر خبر رسانی کے حاکم اعلیٰ میجر ہڈسن کو لکھ دیا تھا کہ میں نے بادشاہ کو بخت خاں کیساتھ جانے سے روک لیا ہے ۔ کل مقبرہ ہمایوں میں دوبارہ ملاقات کا وعدہ ہے جس وقت وہ رخصت ہوں آپ تھوڑی سی فوج لیکر آئیں اور بادشاہ کو گرفتار کرلیں۔ غرضکہ بادشاہ نے مقبرہ میں بخت خاں سے آخری ملاقات کی الٰہی بخش بھی موجود تھے۔ بخت خاں نے بادشاہ کے لیجانے پر اصرار کیا۔ مرزا نے مخالفت کی بادشاہ نے بخت خان سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ بہادر! مجھے تیری بات کا یقین ہے مگر جسم کی قوتنے جواب دیدیا ہے اس لئے میں اپنا معاملہ تقدیر کے حوالہ کرتا ہوں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور بسم اللہ کرکے یہاں سے جاؤ۔ کچھ کام کرکے دکھاؤ۔ ہماری فکر نہ کرو۔ اپنا فرض انجام دو۔ بخت خاں پابوس ہوکر مقبرے کے شرقی دروازے سے دریا کیطرف چلا گیا اور اپنی باقی ماندہ فوج لیکر ایسا غائب ہوا کہ آج تک کسی جاسوس کو اس کا سراغ نہ لگا نہ معلوم کہ زمین میں دھنس گیا یا

آسمان پر چڑھا۔ مدتوں اُس کی تلاش جاری رہی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔"

بہادر شاہ کو قتل کیا جائے

جب میجر ہڈسن کو خبر ملی کہ باغی سردار رخصت ہو گیا اور بادشاہ کے پاس کوئی طاقتور حمایتی باقی نہیں ہے تو اُنہوں نے جنرل سے بادشاہ کے گرفتار کرنے کی اجازت طلب کی اُسوقت بحث پیش ہوئی کہ بہادر شاہ کو زندہ گرفتار کیا جائے یا قتل کیا جائے۔ جنرل صاحب کی رائے تھی کہ ہلاک کر دینا چاہیئے۔ مگر دوسرے افسروں نے اختلاف کیا کیونکہ اُسوقت تک صرف دہلی پر قبضہ ہوا تھا۔ اور تمام ہندوستان میں آگ کے شعلے ہنوز مشتعل تھے ایسی حالت میں بادشاہ کا زندہ رکھنا ہی مصلحت تھا۔ اس صلاح مشورے کے بعد میجر ہڈسن مقبرے کے دروازے پر آیا اور بادشاہ کو باہر بلایا زینت محل ہمراہ تھیں انہوں نے عرض کی کہ آپ پہلے میجر ہڈسن سے اپنی، میری اور جواں بخت کی جان کی اماں طلب کیجئے تب باہر جائیے بادشاہ نے میجر کے پاس یہی پیام بھیجا اُس نے قبول کر لیا، اس قول و قرار کے بعد بادشاہ برآمد ہوئے، پالکی لگائی گئی، اکبر و جہانگیر کا وارث مجرم اور ملزم کی حیثیت سے اس پالکی پر سوار کیا گیا، اور گوروں کے پہروں میں دہلی بھیجدیا گیا۔"

بہادر شاہ کو قید کر کے

بے گناہ شہزادوں کو بیدردی سے قتل کیا گیا

صفر ۱۲۷۴ھ کی پہلی یا دوسری تاریخ کو بادشاہ زینت محل کے مکان میں جو لال کنوئیں کے قریب تھا قید کئے گئے۔ دوسرے دن مرزا الہی بخش نے مخبری کی کہ مرزا مغل، مرزا حضرت سلطان اور مرزا ابوبکر وغیرہ ہم مقبرہ ہمایوں میں پوشیدہ ہیں میجر ہڈسن اپنے سپہ سالار سے اجازت لیکر سو سپاہیوں کے ساتھ اُن کو گرفتار کرنے روانہ ہوا، تینوں شہزادے مقبرے کے اندر تھے اور اُن کے ہمراہ لفٹنٹ میکڈاول کے قول کے مطابق تین ہزار مسلمان تھے، اور اُن کے علاوہ تین ہزار مسلح سپاہی قریب ہی جھاڑیوں میں موجود تھے۔ ہڈسن اور میکڈاول مقبرے سے نصف میل کے فاصلہ پر ٹھہرے کیونکہ اتنی قلیل جمعیت لیکر مقبرے پر دھاوا کرنا مصلحت نہ تھا، شہزادوں کے پاس پیام بھیجا کہ وہ گرفتاری منظور کریں یا انجام مزاحمت کے لئے تیار ہوں آدھ گھنٹہ کے بعد شہزادوں کیطرف سے جواب آیا کہ ہماری جانوں کی ذمہ داری کی جائے تو ہم اپنے تئیں حوالے کر سکتے ہیں۔ میجر نے کہا کہ میں یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ شہزادوں کو بغیر کسی شرط کے ہمارے پاس حاضر ہونا چاہئے۔ اب مقبرے میں باہم

گفت و شنید شروع ہوئی، شہزادوں نے کہا کہ تیموری خاندان کے لوگ اس طرح مجبور ہو کر قید نہیں ہوا کرتے۔ تلوار اٹھاتے ہیں اور لڑتے ہیں مارتے ہیں یا مرتے ہیں۔ دارا شکوہ کو جب اورنگزیب نے قتل کرنا چاہا اور قاتل قید خانہ میں آئے تو دارا ترکاری چھیلنے کی چھری لیکر کھڑا ہو گیا اور کچھ دیر جلادوں سے مقابلہ کرتا رہا، ہمکو بھی دلیرانہ کام کرنا چاہیئے مرنا تو ہر حال میں ہی ہے پھر بہادری کی موت کیوں نہ مریں"

شہزادوں کی دردناک شہادت

میجر ہڈسن کے خوفناک مظالم

مرزا الٰہی بخش نے نصیحت کا دفتر کھولا اور ایسے اُتار چڑھاؤ دکھائے کہ اجل نصیب شہزادے مقابلے اور مجادلہ سے دست بردار ہو گئے اور مرزا کے مشورے کے موافق تن بہ تقدیر بغیر کسی شرط کے رتھوں پر سوار ہو کر ہڈسن کے پاس چلے آئے۔

انگریزوں نے ان مصیبت زدوں کو خونخوار نظروں سے دیکھا اور دہلی کی طرف کوچ کا حکم دیا جب دہلی ایک میل رہ گئی تو رتھوں کو ٹھہرایا، اور شہزادوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے اُتار ڈالیں، بدنصیب بے بس تھے فرمان کی تعمیل کی، لباس شہزادگی جسم سے جدا کیا اور حسرت سے ہڈسن کی

طرف دیکھنے لگے کہ اب کیا کہتا ہے اُن کو خیال تھا کہ شاید اس جگہ سے مقید کر کے پاپیادہ لیجانے کا ارادہ ہے۔ مگر نوشتۂ تقدیر کچھ اور ہی تھا۔ ہیجر غصہ سے دیوانہ ہو گیا اور اپنے ہاتھ سے شہزادوں کے سر اور سینہ پر تین تین گولیاں ماریں، مظلوم، ہائے کہکر گرے اور تھوڑی دیر خاک و خون میں غلطاں رہکر راہی عدم ہوئے جب لاشیں ٹھنڈی ہو گئیں تو ان کو شہر میں لایا اور کوتوالی کے دروازے پر ایک دن رات سر بازار آویزاں رکھا۔ مشہور ہے کہ مظلوموں کے سر کاٹ کر بادشاہ کی خدمت میں بطور تحفہ کے ارسال کئے گئے۔ لیکن اس انسانیت سوز وحشیانہ حرکت کا یقین نہیں آتا کسی معتبر تاریخ میں یہ حکایت درج نہیں ہے۔"

دہلی میں قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا

اس خونریزی کے بعد دہلی میں قتل عام شروع ہوا۔ جس کی بابت انگلستان کا ایک مورخ اسپنسر والپول لکھتا ہے۔ کہ وحشی نادر شاہ نے بھی وہ لوٹ نہیں مچائی تھی جو فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج نے جائز رکھی۔ شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے اور پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں کو روزانہ سزائے موت دیجاتی تھی۔ والپول کا بیان ہے کہ تین ہزار آدمیوں کو پھانسی دی گئی جن میں سے انتیس شاہی خاندان سے تعلق

رکھتے تھے مؤلف قیصر التواریخ لکھتا ہے کہ ستائیس ہزار مسلمان قتل کئے گئے
اور سات دن تک برابر قتل عام جاری رہا"

زینت محل میں بادشاہ کی نظربندی

غریب بادشاہ زینت محل کی حویلی میں قید تھا، خوراک کے لئے پانچ روپیہ
یومیہ ملتے تھے اور اس ظلم و ستم کی خبریں روز سنا کرتا تھا۔
مشتاق تھے جس کے خبر آئی کہ مار دہ جس دوست کو پوچھا یہ سنا قتل ہوا
اس دورِ مصیبت کی یادگار ایک نظم ہے جس کو ادا شناس ظفر
کی تصنیف بتاتے ہیں مگر ارقام کلام پر نظر کر کے بعض نکتہ رس اس کو
حسامی ایک غیر معروف شاعر کی طرف منسوب کرتے ہیں اس دار و گیر
کی گرم بازاری میں الفاظِ نشست پر غور کرنے کا کس کو موقع تھا، دل
کے جذبات تھے جو زبان پر بیساختہ آئے اور آج تک دردمندوں
کی زبان پر زندہ ہیں"

آہِ ظفر!

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں اس ستم کا میں کیا بیاں مرا غم سے سینہ فگار ہے

یہ رعایا ہند تبہ ہوئی کہوں کیا کہ اُن پہ جفا ہوئی

جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ بھی قابلِ دار ہے

یہ کسی نے ظلم بھی ہے سنا کہ دی پھانسی لاکھوں کو بیگناہ

دیے کلمہ گویوں کے سمت سے ابھی دل میں انکے غبار ہے

نہ تھا شہر دہلی یہ تھا چمن کہوں کس طرح کا تھا یاں امن

جو خطاب تھا وہ مٹا دیا فقط اب تو اُجڑا دیار ہے

یہی تنگ حال جو سب کا ہے یہ کرشمہ رب قدرت کا ہے

جو بہار تھی سو خزاں ہوئی جو خزاں تھی اب وہ بہار ہے

شب و روز پھولوں میں جو تلیں کہو خار غم کو وہ کیا سہیں

ملے طوق قید میں جب انہیں کہا گُل کے بدلے یہ ہار ہے

سبھی جادہ ماتم سخت ہے کہوں کیسی گردشِ بخت ہے

نہ وہ تاج ہے نہ وہ تخت ہے نہ وہ شاہ ہے نہ وہ بار ہے

جو سلوک کرتے تھے اور سے اب ہیں دیکھو وہ کس طور سے

وہ ہیں تنگ خرچ کے دور سے رہا تن پہ اُنکے نہ تار ہے

یہ وبال تن پہ ہے سر مرا انہیں جان جانے کا ڈر ذرا

کٹے غم جو نکلے یہ دم مرا مجھے اپنی زندگی بار ہے!

تجھے اے ظفر بھلا کس کا ڈر تو خدا کے فضل پہ کر نظر

تجھے ہے وسیلہ رسولؐ کا وہی تیرا حامی کار ہے

مظلوم بادشاہ کا مقدمہ

قصہ مختصر ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو لال قلعہ میں فوجی عدالت کے سامنے مظلوم بادشاہ کا مقدمہ پیش ہوا۔ شاہجہاں کے ایوان خاص میں اُن کا فرزند ملزم کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اور وکیل سرکار نے حسب ذیل جرائم کی پیشی کی۔

فرد جرم

(۱) سراج الدین محمد بہادر شاہ انگریزی کمپنی کے پنشن خوار تھے مگر انہوں نے ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان محمد بخت خان صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ اور دوسرے افسران افواج انگریزی کو غدر اور بغاوت کرنے کی ترغیب دی اور غدر کرانے میں امداد دی۔

(۲) بہادر شاہ نے اپنے بیٹے مرزا مغل کو جو انگریزی کمپنی کی رعیت تھے اور دوسرے باشندگان کو جو انگریزی رعایا تھے انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ہتھیار اٹھانے میں مدد دی اور سازش میں شریک

ہوئے۔

(۳) بہادر شاہ نے ۱۰ مئی سے یکم اکتوبر تک باوجود انگریزی رعایا ہونے کے اپنے آپکو بادشاہ ہند مشہور کیا اور شہر دہلی پر ناجائز قبضہ کر لیا، اور مرزا مغل اور محمد بخت خاں سے سازش کی اور علم بغاوت بلند کیا اور گورنمنٹ سے جنگ کے لیے آمادہ ہوئے اور گورنمنٹ کا تختہ اُلٹ دینے کی غرض سے اسلحہ بند فوجوں کو دہلی میں جمع کیا اور ان کو لڑنے پر آمادہ کیا۔"

(۴) اننچاس نفر انگریزوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے قتل کرانے میں حصہ لیا اور دیگر انگریزوں اور عورتوں و بچوں کو قتل کرانے میں مدد دی، اور والیان ریاست کے نام احکام جاری کئے کہ وہ عیسائیوں اور انگریزوں کو اپنے حدود میں جہاں پائیں قتل کریں اور یہ سب بموجب قانون ۱۶ ایکٹ ۱۸۵۷ء سنگین جرائم ہیں۔

بادشاہ کی جلاوطنی

عدالت کا فیصلہ پہلے سے طے شدہ تھا، جلاوطنی کا حکم صادر ہو کر فوجی پہرے میں ہندوستان سے رخصت کئے گئے۔ شہزادہ جواں بخت و زینت محل کے علاوہ چودہ زن و مرد بادشاہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔"

جلایا یار نے ایسا کہ ہم وطن سے چلے　　بطورِ شمع کے روتے اس انجمن سے چلے
نہ باغباں نے اجازت دی سیر کرنے کی　　خوشی سے آئے تھے روتے ہوئے چمن سے چلے

قیدیوں کا قافلہ جب کانپور سے گذرا تو ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے کہ بادشاہ پالکی میں گیروا لباس پہنے بیٹھے تھے، پچیس گورے اُس پینس کے گرد تھے۔ دو پالکیاں اور ساتھ تھیں جن میں نواب زینت محل اور تاج محل وغیرہ بیگمات تھیں، دو تین گاڑیوں پر شہزادہ جواں بخت وغیرہ دوسرے لوگ تھے اور ان سب کے خرچ خوراک کے لئے آٹھ روپیہ یومیہ مقرر تھے۔
سچ ہے کہ دو آمین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد"

قیدی بادشاہ ساحل رنگون پر

۱۸۵۸ء کے ختم ہونے سے پہلے اکبر کا آخری وارث رنگون پہونچا جہاز سے اُترتے ہی گوروں کی حراست میں بندرگاہ سے صدر بازار کے ایک دو منزلہ بنگلے میں گیا جو پرانی گھوڑدوڑ کے میدان کے قریب موجودہ سڑک وائل روڈ پر واقع تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ اب اس بنگلہ کا نام و نشاں باقی نہیں۔ اُس جگہ پولیس چوکی اور چھاؤنی کے مجسٹریٹ کی کچہری ہے۔ ظفر اور زینت محل کی قبریں بھی اسی احاطہ میں ویران پڑی تھیں، آج کل اس کے لئے چندہ کی تحریک [illegible]

آخری ایام میں بہادر شاہ کا افلاس

اس بنگلے کے گرد گوروں کا پہرہ ظفر کی زندگی تک رہا اور خرچ آب و نمک کے لیے صرف چھ سو روپیہ ماہوار ملتے رہے انہوں نے حکومت انگریزی سے کسی امداد کی استدعا نہیں کی، فاقہ کشی اور عسرت کی، زندگی گوارا کی لیکن حمیت و غیرت ترک نہ کی زینت محل کے پاس کچھ زیورات باقی تھے انہیں کو معاش کا ذریعہ بنایا اور بدنصیب زندگی کی آخری سانسیں افلاس و تنگدستی میں گذار دیں۔"

مرتے مرتے شاعری کا ذوق

شاعری کا ذوق رنگون میں بھی باقی رہا۔ اُن کی بعض دردناک نظمیں قید خانے کی چار دیواری سے نکلکر دلی تک پہونچیں اب بھی بعض سخن فہموں کے پاس محفوظ ہیں۔ لیکن وہ نہ تو خود اُن کو شائع کرتے ہیں نہ دوسروں کو اُن کی زیارت سے بہرہ مند ہونے دیتے ہیں۔ مرحوم ایڈیٹر "صلائے عام" دہلی کے پاس ایک نفیس نظم اسی دور مصیبت کی تصنیف کسی ذریعہ سے پہونچ گئی تھی اور اس کے کئی اشعار دلی والوں کی زبان پر آگئے تھے لیکن باوجود اصرار اور تقاضے کے انہوں نے یہ نظم راقم الحروف کو عنایت نہ فرمائی وہ نظم

بطور مناجات کے تھی اور مدینے میں موت ہونے کی تمنا کا اظہار تھا۔

کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل غزل رنگون کی بیکسی اور کس مپرسی کی یاد گار ہے بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ زبان ظفر کی نہیں ہے لیکن اُن کے دیوان اوّل میں بھی ایک غزل اسی طرز کی موجود ہے اور اُس کے چند اشعار درج ہیں"

کون نگر میں آئے ہم کون نگر میں باسی ہیں — جائیں گے اب کون نگر کو من میں بسی ہیں
دیس نیا ہے بھیس نیا ہے رنگ نیا ہے ڈھنگ نیا — کون آنند کرے ہے واں اور رہتے کون اینٹھیا
جن گلیوں میں پہلے دیکھیں لوگن کی رنگ رلیاں تھیں — پھر دیکھا تو اُن لوگوں بن سونی پڑی وہ گلیاں تھیں
ایسی انکھیاں میچ پڑے ہیں کروٹ بھی نہیں لے سکتے — جن کی چالیں البیلی اور چلنے میں چھل بلیاں تھیں
خاک کا اُن کا بستر ہے اور سر کے نیچے پتھر ہے — ہائے وہ شکلیں پیاری پیاری کس کس چاؤ کی پلیاں تھیں

کیا کیا پہلے دیکھے ہم نے پھول اسی پھلواری میں — اب تو جو اس میں پھول ہیں کھلتے اور ہی اُن میں باس ہیں
دنیا ہے یہ رین بسیرا بہت گئی رہ گئی تھوڑی سی — اُن سے کہہ دو سو نہ جائیں نیند میں جو کہ نندا سی ہیں

حسب ذیل اشعار بھی اُن کے قید رنگون کی یادگار ہیں۔ اور اُن کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہے۔

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکوں میں وہ ایک مشت غبار ہوں
مرا رنگ روپ بگڑ گیا مرا حسن مجھ سے بچھڑ گیا

جو چمن خزاں سے اُجڑ گیا میں اُسی کی فصل بہار ہوں
پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آکے شمع جلائے کیوں میں وہ بیکسی کا مزار ہوں

یہ شعر بھی اسی حسرت و مصیبت کی تصویر ہے! ؎
نہ دبایا زیرِ چمن انہیں نہ دیا کسی نے کفن انہیں
نہ ہوا نصیب وطن انہیں نہ کہیں نشانِ مزار ہے

خدا کے دربار میں

غرض قید خانے کے تنگ و تاریک کمرے میں وہ موت کا انتظار کرتے تھے۔ آخر کار اُن کی دُعا قبول ہوئی اور نواسی برس کی عمر میں ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو قید فرنگ اور قید حیات دونوں سے آزاد ہوگئے

شد ادر دا دہاتف بہر سالش بہادر شاہ از دنیا برفت آہ

زینت محل بیگم کی بپتن

سکرات موت کے وقت سوائے زینت محل، جواں بخت اُن کی بی بی اور ایک خورد سال بچّی کے کوئی موجود نہ تھا۔ حکام کی اجازت سے

تجہیز و تکفین کر کے اُسی بنگلے کے احاطہ میں دفن کر دیا۔ کچی قبر تھی ایک بیری کا درخت سرہانے لگا تھا اور اُسی سے مدت تک مرقد کا نشان رہا۔ زینت محل کچھ عرصے تک اُسی بنگلے میں فرد کش رہیں بعد ازاں دوسرے مکان میں حکماً منتقل کی گئیں۔ پابند وضع شوہر کی وفات سے پانچ سال تک انہوں نے بھی انگریزی حکومت سے کوئی امداد قبول نہ کی مگر ؎

اُنچہ شیراں را کند روبہ مزاج   احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

مجبور ہو کر ۱۸۶۷ء سے پانچسو روپیہ ماہوار کی پنشن منظور کر لی اور اسی قدر وظیفہ مرزا جواں بخت کا بھی مقرر ہو گیا۔

شہزادے نے غربت و بیکسی میں بمقام مولمین (ملک برما) ۱۸۸۴ء میں انتقال کیا۔ آجتک قبر کا پتہ نہیں چلا"

قبروں کے نشان تک مٹا دیے

غم نصیب زینت محل عیش و عشرت کا غم واندوہ سے کفارہ ادا کرنیکے بعد ۱۷ جولائی ۱۸۸۶ء کو دنیا سے رخصت ہوئیں اور پرانے بنگلے کے احاطہ میں مظلوم شوہر کی قبر کے پاس دفن کی گئیں وہ احاطہ ایک یوروپین مسٹر ڈاسن کو جو برما کی مشہور ڈاسن بنک کمپنی سے متعلق تھا۔

ٹھیکہ پر دیدیا گیا۔ صاحب بہادر کو مزار پر فاتحہ پڑھنے والوں اور چراغ بتی کے لیئے خادموں کی آمدرفت ناگوار ہوئی، مقبرے کا راستہ بند کر دیا۔ مرقد مبارک کے ایک طرف ٹینس کھیلنے کا میدان تھا، اور دوسری طرف گھوڑے سدھانے کا چکر۔ چند روز میں قبروں کا نشان بھی ناپید ہو گیا۔ اور روشن ضمیر ظفر کی پیشین گوئی پوری ہوئی

بہادر شاہ کی غربا نوازی

"داغ غم" یعنی داستان غدر تو آپنے ملاحظہ فرمائی ہے۔ اب مندرجہ ذیل مضمون میں سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ کی غربانوازی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔ جو ایک مضمون کی شکل میں ہیں اور یہ مضمون فروری ۱۹۳۵ء کے رسالہ "محشر خیال" میں شائع ہو چکا ہے،

اس کہانی کے مصنف یا مولف جناب مولانا امراؤ مرزا صاحب برلاس دہلوی ہیں۔ جو دہلی کے قدیمی باشندے اور ایک اعلیٰ خاندان کے فرد ہیں اور مظفر نگر کی کچہری کلکٹری میں نہایت نیکنام محافظ دفتر ہیں۔ امراؤ مرزا صاحب موصوف کو غدر کے متعلق بہت سی دردناک کہانیاں معلوم ہیں

جو آئندہ شائع کی جائیں گی"

عبداللہ فاروقی دہلوی۔ ایڈیٹر "محشر خیال"

اب سے سات آٹھ سال گذشتہ کی بات ہے میں فریدآباد کے جنگل میں جو
دہلی سے ۱۷ یا ۱۸ میل آگرہ کی سڑک پر واقع ہے دریائے جمنا کے کھادر سے شکار
کھیلکر معہ اپنے ہمراہیوں کے ایک کھیت کے کنویں پر پانی پینے اور آرام
کرنے کیلئے بیٹھ گیا۔ ہمارے پاس کرمچ کا ڈول اور سوت کی ڈوری تھی
چنانچہ ہملوگ پانی سے سیر ہوکر سگرٹ نوشی میں مشغول ہوگئے اور
پھر ہر ایک نے اپنے اپنے شکاری کارنامے بیان کرنے شروع کردیئے لیکن
میری توجہ سب سے جداگانہ کھیت کے کاشتکار کیطرف متوجہ ہوگئی۔ جو
باوجود پیرانہ سالی کے اپنی خمیدہ کمر سے کھیت کی نلائی میں مصروف تھا۔
اور ایک پانچ چھ سال کا بچہ اس کے پاس کھڑا تھا شام ہونے میں ابھی
کچھ دیر باقی تھی۔ غالباً ہملوگوں کے ہنسنے بولنے کی باتیں سنکر یا کام سے
تھک کر وہ بڈھا اپنا کام چھوڑکر کھیت سے اٹھا اور آہستہ آہستہ
جھکا جھکا کھرپہ ہاتھ میں لئے ہوئے ہمارے پاس آبیٹھا تھوڑی دیر بعد
جب اس کا سانس ٹھکانے سے ہوا تو ہماری پارٹی کیطرف مخاطب ہوکر
بولا۔ کیا تم لوگ شکار کھیلنے آئے تھے؟ میں نے کہا ہاں بابا۔ بڈھے نے

کہا کچھ شکار ملگیا؟ میں نے کہا ہاں تین ہرن ملگئے ہیں وہ فریدآباد گاڑی میں بھیجدیئے ہیں۔ اب تیتروں کا شکار کھیلتے ہوئے فریدآباد چلے جائیں گے۔ بڈھے نے کہا کیا تم فریدآباد رہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں ہم تو دہلی رہتے ہیں۔ فریدآباد میں ہماری موٹر کھڑی ہے۔ وہیں ہمنے اپنے ایک آدمی کو گاڑی میں بٹھاکر ہرن روانہ کئے ہیں اور وہیں خود بھی شکار کھیلتے ہوئے پہنچ جائیں گے۔ میں نے بڈھے کا شکریہ ادا کیا اور دریافت کیا۔ بابا تمہاری عمر کیا ہے اُس نے جواب دیا غدر میں نو دس برس کا خاصہ گھاڑا اور ہوشیار تھا۔ مجھکو غدر خوب یاد ہے۔ بلکہ غدر سے پہلے کی بھی بہت سی باتیں یاد ہیں۔ میں نے کہا تم تو اب بہت بڈھے ہوگئے ہو۔ تم ابھی تک کھیت کیار کا کام کرتے ہو تمہارے بیٹے پوتے تو بہت ہوں گے۔ مجھکو تمہارے بڑھاپے میں کھیت کا کام کرتے ہوئے دیکھکر دل بہت کڑھتا ہے۔ تمہاری تو اب آرام کی عمر ہے۔ بڈھے نے کہا بیٹا مجھسا دنیا میں کوئی بدنصیب نہ ہوگا میرے کئی پوت جوان ہوکر مرگئے۔ بس ایک لڑکا تیرے جیسا جوان باقی رہ گیا تھا۔ وہ بھوکا مرتا لڑائی میں بھرتی ہوگیا تھا وہ وہاں مارا گیا جسکا یہ بالک میرے پاس کھڑا ہے اس کی اور اسکی ماں کی سرکار سے کچھ روپیہ مہینے پنشن ہوگئی تھی۔ لڑکا مرنیکے بعد وہ کچھ دن تو یہاں رہی جب تک پنشن

بھی ملتی رہی اب وہ لڑکی دوسرے کے پاس بیٹھ گئی اور اس لونڈے کو چھوڑ
کر چلی گئی۔ اب پنشن بھی بند ہو گئی۔ اور بیٹوں کی بہوؤں نے بھی تھوڑے
تھوڑے دن بعد اپنا اپنا ٹھکانہ دوسری جگہ کر لیا۔ بس میرا اس بالک
کے سوا اور کوئی نہیں ہے میں نے کہا تمہاری ذات برادری اور گاؤں
کے آدمی بھی کچھ نہ کچھ مدد نہیں کرتے۔ میں اگر تمہارے گاؤں کا رہنے
والا ہوتا۔ تو اگرچہ میں مسلمان ہوں اور تم ہندو خواہ کسی ذات کے ہو
تمہاری ضرور مدد کرتا اور تمہاری اس مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرتا
بڈھے نے کہا بھگوان تجھے زندہ رکھے تو مجھکو پہلے گھر لے کا معلوم ہوتا
ہے۔ بیٹا ہماری بستی والے سب کے سب اسی جگہ دکھی ہو رہے ہیں اور
جان سے بیزار ہو رہے ہیں اور میں ان سے زیادہ ہوں۔ میں نے کہا
کیوں یہ کیا بات ہے تمہارا گاؤں کا گاؤں پریشان ہے۔ اس نے کہا
بیٹا ہم لوگ ذات کے گوجر ہیں ہم لوگ پیڑھیوں سے دہلی کے
پاس پرانے قلعہ میں آباد تھے اور وہیں کی دھرتی جوتا کرتے تھے۔
اس میں بڑی اچھی پیداوار ہوتی تھی۔ لال مرچ تو اس دھرتی میں
ایسی چرپری ہوتی تھی کہ دہلی شہر میں پرانے قلعہ کے نام سے مرچ بکا کرتی
تھی۔ اور گاجر مولی پیاز اور دوسری ترکاریاں خوب ہوتی تھیں ہم کو
قلعہ سے سرکار نے اجاڑ دیا جب سے ہم برباد ہو گئے۔

(۲) بڈھا اتنی گفتگو کے درمیان آنکھوں میں آنسوں بھر لایا تھا۔ لیکن
اب اس کا دم چڑھ گیا تھا خاطر خواہ رو رہا تھا۔ اس کی حلقہ پڑی آنکھوں
سے مسلسل آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں جن کے کچھ قطرے اس کے
جھریاں پڑے چہرے پر رُک رُک کر اُس کے تمام چہرے کو تر بتر کر رہے
تھے بڈھے کو روتے دیکھکر بچہ بھی بے اختیار ہو کر کھڑا ہوا رو رہا تھا جس کے
سر پہ بڈھا شفقت سے ہاتھ پھرتا تھا اور رونے کے درمیان چمکار بھی دیا
کرتا تھا۔ ہماری پارٹی کے ہر بشر کا دل بھر آیا تھا اور چھوٹے چھوٹے آنسو
پلکوں پر جھلک رہے تھے جنکو ہم سب لوگ رومالوں سے پونچھ رہے تھے
ہمارے ساتھی اور ہیں اب سب چہل پہل بھولگئے تھے اور دل بے چین ہو گئے
تھے بچے کو میں نے بھی چمکارا اور کچھ پیسے دیئے اور بڈھے سے بھی کہا۔ بھگوان
تمپر دیا اور رحم کرے اور تمہاری تکلیفوں کو دور کرے۔ بڈھے کے بھی اب
آنسو خشک ہو گئے تھے۔ اور اسکا دل کچھ سنبھل گیا تھا۔ بڈھے نے اب یہ کہنا
شروع کیا۔ غدر سے پہلے ہمارے پرانے قلعہ کی دھرتی میں باجرا بہت اچھا
پیدا ہوتا تھا اور اب میں بھی ہر ایک آدھی دھرتی میں ترکاری اور آدھی میں
باجرا بوتا تھا کیونکہ سرکاری باقی اب برابر بڑھتی جاتی تھی۔ ترکاری بونے
میں فائدہ بہت ہوتا تھا۔ اور پیشگی نقد دام آجاتے تھے مگر باجرے کی کھیتی
سے زیادہ اس میں دن رات کی ٹہل کرنی پڑتی تھی اور یہ ساری محنت ہم

سرکاری باقی کے خوف سے کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا غدر سے پہلے پرانے قلعہ کی زمین پر کیا باقی تھی بڈھے نے کہا غدر سے پہلے ایک پیسہ بھی بادشاہی باقی کا ہم پر نہ تھا۔ بادشاہ سلامت کے کبوتروں کیواسطے ہل پیچھے سوا سیر باجرہ دینا پڑتا تھا۔ بس ہم پر یہی سرکار باقی اور یہی لگان تھا۔ ہماری گوجروں کی قوم بہت بدمعاش ہے ہملوگوں کے دلمیں ایکدفعہ شرارت ہوئی اور بادشاہ سلامت کے کبوتروں کو باجرہ بھی نہ دینا چاہا بات یہ تھی کہ اس سال برکھا کچھ کم ہوئی تھی پیداوار بھی اچھی نہ ہوئی تھی اگر ہم سب بادشاہ سلامت سے معافی مانگتے تو معافی ہو جاتی مگر ہملوگوں کو ایک چال سوجھی باجرے کے پودوں پر سے بالیں کاٹ ڈالیں اور خالی پودے کھیتوں میں کھڑے رہنے دیئے اور سارے پرانے قلعہ والے کسان لال قلعے کے جھروکوں کے نیچے جا پڑے اور بادشاہ سلامت سے فریاد فریاد کا غل مچایا۔ ہمارا شور وغل سنکر جہاں پناہ جھروکوں میں آئے اور کہا کیا فریاد لائے ہو۔ گوجروں نے کہا جہاں پناہ اس مرتبہ کھاری باؤلی کے بنیوں نے ایسا باجرے کا بیج دیا ہے کہ پیڑ تو اگ آئے اور ہرے بھرے نظر آتے ہیں لیکن بال ایک نہیں آئی ہم پر اس دفعہ کبوتروں کا باجرہ معاف کیا جائے جہاں پناہ نے حکم دیا ہم خود موقعہ پر آکر کھیت ملاحظہ کرینگے اور پھر حکم دیں گے چنانچہ دوسرے دن شام کو بادشاہ سلامت خود ہوادار میں سوار ہو کر پرانے قلعہ آئے اور کھیت ملاحظہ کر کے اس فصل کا کبوتروں

کا باجسرہ بالکل معاف کردیا۔ اور کھاری باؤلی کے بنیوں کو بلا کر دھمکایا۔
کہ تم نے ایسا خراب باجرہ کیوں دیا آیندہ ایسا خراب ناج نہ فروخت کرنا بھائی
قوم کے بعضے بعضے سمجدار لوگ اس بات میں شریک نہ تھے گھروں میں بخار کا
بہانہ کر کے چھپے بیٹھے رہے اور بادشاہ سلامت کے روبرو نہیں آئے۔ کیونکہ
اُن کو یہ خوف تھا کہ بادشاہ سلامت کیا ایسے نادان ہیں جو ہماری چال نہ
سمجھ جائیں گے مگر حقیقت میں وہ نادان یا بھولے نہ تھے بلکہ رعایا پروری کرتے
تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر درگذر کیا اور باجسرہ معاف کر دیا۔ آدمی انتر
ہے کوئی ہیرا ہے کوئی کنکر ہے۔ دُنیا میں سارے منش سارے راجہ ساری پرجا
ایک سی نہیں ''

(۴) ایکدفعہ کی بادشاہ سلامت کی ایک بات سُناتا ہوں اس وقت
میری سات آٹھ سال کی عمر ہوگی اس سال برکھا کا بہت ہی توڑا ہو گیا
تھا گیہوں بیس بائیس سیر کے ہو گئے تھے رعیت بہت دُکھی ہو گئی تھی۔
اور بہت پریشان تھی شہر کے ورے پرے کے گاؤں کے لوگ جمع
ہو کر لال قلعہ کے جھروکوں کے آگے جا پڑے اور فریاد کی جہاں پناہ عالم
پناہ سلامت رعایا بھوکی مر چلی ہے جان سے تنگ ہے کھاری باؤلی کی بنیوں
کو ڈانٹنا چاہیئے کہ وہ ناج سستا کریں اگر تھوڑے دنوں اور ایسی حالت رہی
تو حضور کی رعایا برباد ہو جائے گی حکم شاہی ہوا کہ چوب دار کھاری باؤلی کے

بڑے بڑے آڑھتیوں کو حضور میں لاکر حاضر کریں چنانچہ آڑھتی دیوان عام میں حاضر ہوئے سارے درباری اپنی اپنی جگہ پہ بیٹھ گئے اور رعیت کے مکھیا حاضر تھے میرا دادا بوانی سنگھ پرانے قلعہ کے مکھیوں میں تھا۔ وہ بھی دربار میں گیا تھا۔ وہ گھر کے بالکوں کو بادشاہوں کے قصے سنایا کرتا تھا اس نے شاہ عالم بادشاہ کو بھی دیکھا تھا۔ ان کی آنکھیں بھی نمک حرام غلام قادر نے نکالی تھیں۔ سارے قلعہ اور شہر میں کہرام مچگیا تھا دربار کے امیروں کی شرارت سے یہ کام ہوا تھا رعیت کے لوگ تو اس خبر کو سنکر آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے؛

میرے بابا نے تین بادشاہتیں دیکھی تھیں وہ غدر سے کچھ دن پہلے ہی مرا تھا۔ شام ہوگئی ہے ابھی مجھکو گاؤں میں جاکر اپنے واسطے اور اس بالک کے واسطے روٹی پکانی ہے ادھر تمہارے شکار میں ہرج ہو جائے گا۔ اور فریدآباد او پرے پہونچ گئے نہیں اپنے بابا کی کہی اور اس کی آنکھوں دیکھی اور باتیں بھی سناتا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ آڑھتی دربار میں آئے تو جہاں پناہ نے خود ان سے دریافت کیا کہ پچھلے سال بارش بہت کافی ہوئی تھی۔ ناج بہت پیدا ہوا تھا اب کے سال پانی میں ذرا کچاؤ ہوا ہے تم نے کال ڈال دیا غضب خدا کا دو تین من کے گیہوں کا بھاؤ تم نے گھٹاتے گھٹاتے بیس بائیس سیر کا کر دیا۔ رعایا بھوکی مرتی فریاد نہ کرے تو کیا کرے۔ ایک من سے گیہوں کا بھاؤ ہرگز نہ کم کیا جائے چنانچہ جہاں پناہ کے حکم کی

بنیوں نے گیہوں کا بھاؤ ایک من کا کر دیا لیکن جب سارے برسات بوندا باندی میں ختم ہونے کو آگئی اور کوئی اچھا مینہ نہ پڑا تو اب بنئے فریادی ہوکر پہنچے کہ حضور جہاں پناہ کے حکم سے ہم نے اب تک ایک من کے گیہوں بیچے اب ہم میں گنجائش نہیں رہی ہم بھی حضور کی رعایا ہیں اور حضور کے اقبال سے بال بچے رکھتے ہیں ہمارا دیوالہ نکلگیا تو ہم تباہ و برباد ہوجائیں گے غلہ کی آمد بالکل بند ہوگئی ہے ہملوگ گھاٹے سے بیچ رہے ہیں، جہاں پناہ نے پھر ایک من کے گیہوں فروخت کئے جانے کا حکم موقوف کر دیا اور دربار عام میں حکم دیا کہ کل بدولت عیدگاہ کے پاس کھیتوں میں جاکر خدا سے مینہ کیواسطے دعا کریں کہ رعایا کی تکلیف سے ہم بہت بے چین ہیں اور پریشان ہیں یہ حکم بجلی کیطرح شہر کے ہر کوچے اور محلّہ میں اور شہر کے قریب کے دیہات میں پہنچ گیا۔ صبح ہوتے ہی خلقت کے غول کے غول شہر اور باہر سے عیدگاہ کی طرف جانے شروع ہوگئے۔ چھوٹے بڑے مرد عورت بچے بڈھے، کیا ہندو کیا مسلمان بھنگی چوڑے چمار امیر کبیر سیٹھ فقیر سب ہی تو اس مقام پر دوڑے بھاگے چلے جارہے تھے، ہمارے پرانے قلعہ کے سارے ہی تو آدمی وہاں پہنچ گئے تھے۔ کوئی ایک آدھ ہی بڈھا کھیٹرا اندھا دھندہ باقی رہ گیا ہوگا۔ لنگڑے لولے بھی جو کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے لکڑیاں ٹیکتے ہوئے یا اور لوگوں کی چڈیوں پر چڑھکے پہنچ گئے تھے۔ بہت ہی بڑا خلقت

کا ہجوم تھا جیسے کوئی بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے۔ آٹھ نو بجے کے قریب ہاتھیوں
کے گھنٹالوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ سوار پیادے ڈھول ڈھما کے
اپنے اپنے قرینے سے آنے شروع ہوئے پیچھے پیچھے سکھ پال میں بادشاہ بیگم سوار
تھیں وہ جہاں پناہ کے ہاتھی کے بالکل پیچھے تھیں جنکے ساتھ جوان جوان،
کہاریاں خواجہ سرائے اور حبشی عورتیں رنگ برنگ کی زردوزی وردیاں پہنے
ہوئے تھیں یا تو خلقت میں غل و پکار مچ رہی تھی کہ کان پڑی آواز نہ سنائی
دیتی تھی مگر بادشاہ سلامت کی سواری جوں جوں نزدیک آتی گئی سب
خاموش ہوگئے یہاں تک کہ بچوں کے رونے کی آواز بھی جاتی رہی پھر بادشاہ
سلامت مولا بخش ہاتھی پر سے اترے نقیب نے آواز لگائی جہاں پناہ عالم پناہ
کی سواری آتی ہے مجرا بجا لاؤ نگاہ روبرو وہیں ایک کھیت میں بیلوں کی
جوڑی پر ہل لگا ہوا تھا جہاں پناہ نے بیلوں کی رسی پکڑ کر ان کو دو ایک قدم
سانٹے سے ہنکا کر چلایا اور اسی کھیت میں بوریہ پر نماز پڑھی اور آنکھوں میں
آنسو بھر کر دعا مانگی اپنے بادشاہ کو آبدیدہ دیکھکر ساری خلقت کے آنسو بھر آئے
لوگ زار و قطار رونے لگے پھر بادشاہ بیگم برقعہ اوڑھے سر پر روٹی کی ڈلیہ
رکھے ہاتھ میں پانی کا کوزہ لئے بادشاہ سلامت کے پاس آئیں اور روٹی کی
ڈلیہ جسمیں بیجڑ کی روٹی اور ساگ کی بھاجی تھی کر دے سمیت بادشاہ کے
آگے رکھدی بادشاہ سلامت نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر کھایا اور پانی کا

ایک گھونٹ پیا بس پھر جو کالی ہوری ہوری اودی اودی گھٹا آکر ایکدم
جو مینہ برسنا شروع ہوا تو لوگوں کو گھر پہنچنا مشکل ہوگیا شہر والے تو جلدی سے
اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے ہونگے لیکن دیہات والوں کی بڑی مشکل
ہوئی۔ میں تھوڑی دور تک تو اپنے باپ کے ساتھ بھاگا بھاگا چلا لیکن دہلی
دروازے کے پاس پانی کا بہت زور ہوگیا اور میں بھاگتے بھاگتے ہانپ گیا
تو میرے باپ نے مجھکو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا۔ میں اس زمانہ کی باتیں یاد کر کر کے
رویا کرتا ہوں۔ بس بھیا اب تم جاؤ پھر کبھی آؤ گے تو اور باتیں سناؤں گا۔"
بڈھے کی باتوں میں ہم سب ایسے محو اور از خود فراموش ہوگئے کہ شکار اور
گھر سب بھول گئے۔"

میں نے بڈھے کو ایک روپیہ دیا اور کہا تمہاری دھوتی پھٹ رہی ہے اور
تیار کرا لینا بڈھا لینے سے انکار کرتا رہا۔ لیکن میں برابر اصرار کرتا رہا اور روپیہ
اس کے ہاتھ میں رکھ کر میں نے اس کی مٹھی اپنے ہی ہاتھ سے بند کردی
تو وہ خاموش ہوگیا ہم سب اس کو سلام کر کے تیز تیز قدموں سے فرید آباد
پہنچکر موٹر میں واپس آئے۔"

(مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

چودھویں شب کا چاند

ہندوستانی خواتین کے لئے

پاکیزہ علمی۔ ادبی۔ اصلاحی۔ اخلاقی مضامین اور کشیدہ کاری کا

بہترین باتصویر مجموعہ

تہذیب و تمدن۔ پاکیزہ معاشرت اور اصلاح حال کا علمبردار

خواتین ہند کا سچا حامی

ہر قسم کے عریاں اور غیر مہذب اشتہارات سے پاک

۵۲ صفحے لکھائی چھپائی بہت عمدہ سالانہ چندہ (ایک روپیہ)

فہمیدہ خاتون بریلوی۔ اور حمیدہ خانم حجاب کی ادارت میں ہر انگریزی

مہینے کی پانچ تاریخ کو دار الحکومت دہلی سے

شائع ہوتا ہے

مینیجر رسالہ خاتون مشرق دہلی